کالی بارش

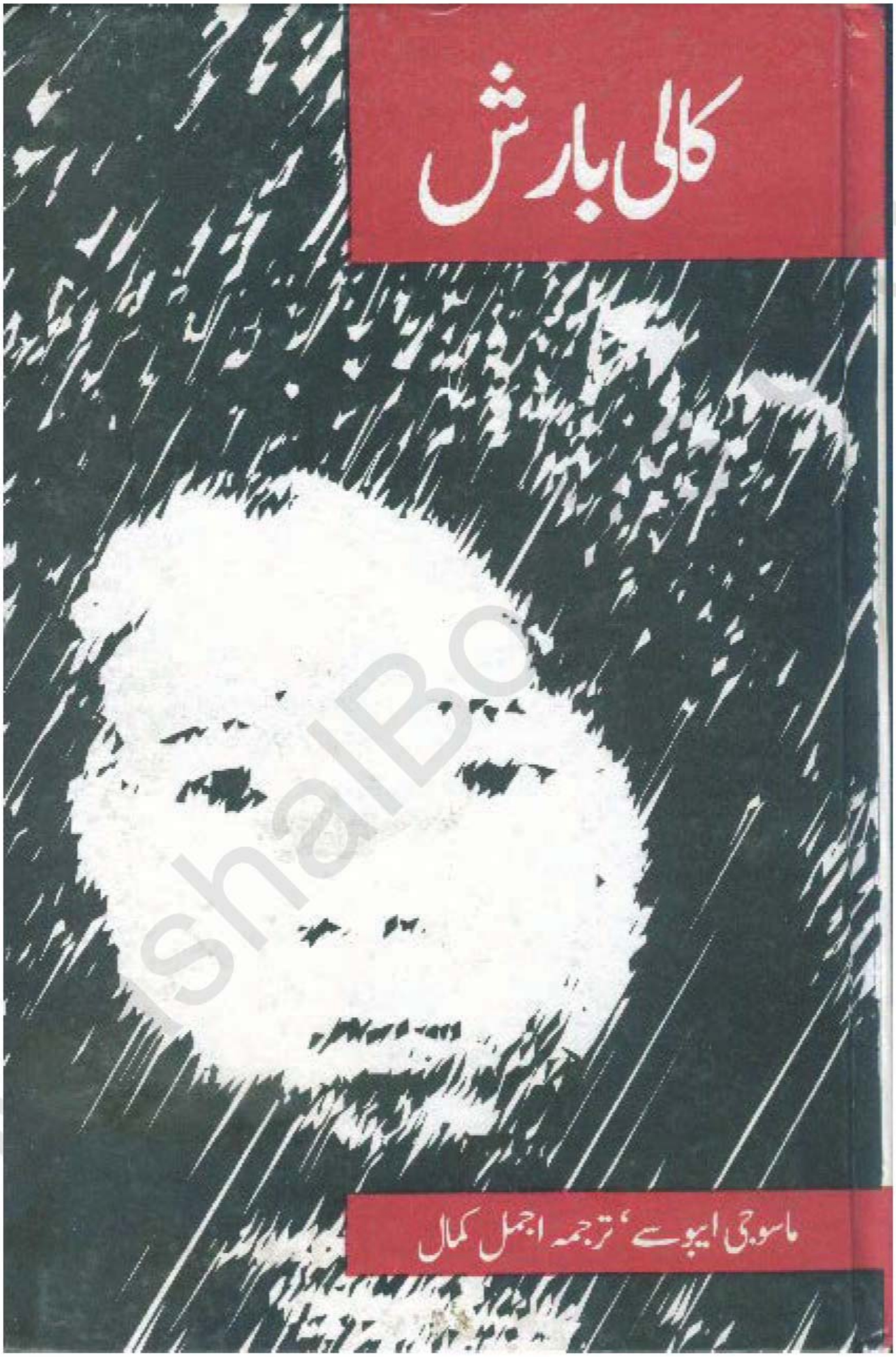

ماسوجی ایبوسے، ترجمہ اجمل کمال

ماسُو جی اِبُو سے

کالی بارش

ترجمہ: اجمل کمال

مشعل

آر-بی 5 ' سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور54600 ' پاکستان

MashalBooks.org

پیش لفظ

انسانیت کے خلاف انسان کے سنگین ترین جرائم کی فہرست بنائی جائے تو دوسری عالمی جنگ میں جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرائے گئے ایٹم بموں کا ذکر اس میں نمایاں طور پر درج ہوگا۔ لاکھوں بے قصور اور بے مدافعت انسانوں پر توڑی جانے والی اس قیامت کی تفصیلات اس موضوع پر لکھی گئی بے شمار کتابوں میں بیان کی گئی ہیں اور ان کی ہولناکی سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے ہم جنسوں کو اذیت میں مبتلا کرنے کے لیے کس حد تک بہیمیت اور سفاکی سے کام لے سکتا ہے۔ یہ ساری کتابیں ایٹمی اسلحہ تیار کرنے، ذخیرہ کرنے اور استعمال کرنے یا استعمال کی خواہش رکھنے والوں کی عدمِ انسانیت کو بخوبی واضح کرتی ہیں مگر ان میں ایک بہت نمایاں نقص موجود ہے۔ اپنی تفصیل کے باوجود یہ کتابیں اس قیامت کا احاطہ کرنے سے قاصر رہتی ہیں جس سے ان انسانوں کو دو چار ہونا پڑا جو ہماری آپ کی طرح اپنی روز مرہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں مگن رہنا چاہتے تھے اور جنہیں آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا نشان بن جانے سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ ان انسانوں کا ذکر ان کتابوں میں لامحالہ یا تو اعداد و شمار کی تجرید میں گم ہو جاتا ہے یا پھر سطحی تفصیلات کی سنسنی کی نذر ہو جاتا ہے۔ اس انسانی المیے کو بیان کرنے کے لیے جس تخلیقی مہارت، احساس کی ہمہ گیری اور فنی ضبط کی ضرورت پڑتی ہے، اس کی توقع صحافیانہ تحریروں سے ظاہر ہے نہیں کی جا سکتی۔ اس توقع کو تو کوئی غیر معمولی ناول نگار ہی پورا کر سکتا ہے۔

اسی لیے جاپان کے ممتاز ادیب ماسوجی ایبوسے (Masuji Ibuse) کے ناول ''کوروئی آمے'' یا ''کالی بارش'' کے انگریزی مترجم جون بسٹر ترجمہ مکمل کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اسے ایٹم بم کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں شمار نہیں کیا جانا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ اس ناول کو پڑھ لینے کے بعد آپ اس خیال سے اتفاق کرنے پر آمادہ ہوں

گے۔ حالانکہ اس کتاب کی بنیاد اس حد تک حقیقت پر ہے کہ اسے ایک لحاظ سے دستاویزی ناول بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کے مرکزی کردار شیگیے ماتسو کی لکھی ہوئی ''بم کے دنوں کی ڈائری'' واقعی موجود ہے: ایک اور نمایاں کردار، بم کا شکار ہونے والا ڈاکٹر ایواتا کے، صحت یاب ہونے کے بعد حقیقتاً ٹوکیو میں پریکٹس کیا کرتا تھا اور دوسرے کرداروں کو پیش آنے والے دہشت ناک مصائب کا بیان افسانہ طرازی نہیں ہے۔ اس کے باوجود یہ حقیقت اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی صحافیانہ حقیقت سے بالکل جدا اور انسانی گہرائی کی حامل محسوس ہوتی ہے۔

اس قسم کے موضوع کا انتخاب کرنے والے ادیب کو بہت سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جذباتیت، سنسنی اور یکسانیت کے ہاتھوں تحریر کی اثر انگیزی اور گہرائی کو تباہ کر بیٹھنے کے خطرات قدم قدم پر موجود رہتے ہیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ ایبوسے کا تجربہ کار قلم ان آزمائشوں سے کامیاب گزرا ہے۔ جاپانی زبان میں یہ ناول ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ ۱۵ فروری ۱۸۹۸ کو جاپان کے صوبہ ہیروشیما کے مقام کامو میں جنم لینے والے مسوجی ایبوسے اس سے پیش تر ہی اپنا منفرد و اسلوب وضع کر چکے تھے انہوں نے ۱۹۱۷ میں ٹوکیو کی واسیدا یونیورسٹی میں ادب کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ ان کا خاص مضمون فرانسیسی ادب تھا، مگر انہیں روسی فکشن نگاروں، خصوصاً توستوئے اور چیخوف، سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ ایبوسے کی پہلی قابلِ ذکر کہانی ۱۹۲۳ میں طلبا کے ایک رسالے میں چھپی۔ اس کہانی اور اس کی بعد کی تحریروں میں ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات، چھوٹی چھوٹی انسانی تفصیلوں سے گہرا شغف، خفیف حسِ مزاح، لطیف طنز اور بلیغ کم بیانی (understatement)، رفتہ رفتہ نکھرتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ انہوں نے ابتدا ہی سے فکشن کے فن کی باریکیوں کو سیکھنے اور ان پر عبور حاصل کرنے کی سنجیدگی اور محنت کے ساتھ کوشش کی اور فکشن کے مغربی اور جاپانی اسالیب کو زیادہ سے زیادہ اثر انگیزی کے ساتھ کام میں لانے کے لیے بہت سے محتاط تجربے کیے۔ جاپانی ادبی روایت میں واحد متکلم میں بیان کیے جانے والے ناول (I-Novel) کی ہیئت خاصی مروج ہے جس میں واقعات کو کہانی کے راوی کے احساسات اور نفسیاتی کیفیت کے نقطہ نظر سے بیان کیا جاتا ہے لیکن اس انداز کے بہت سے روایتی ناول اور کہانیاں شدید موضوعیت اور جذباتیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایبوسے نے ان نقائص

Mashalbooks.org

سے دور رہ کر اس فرسودہ ہیئت کے طاقتور امکانات کو موثر طور پر استعمال کیا اور اپنے مخصوص خشک مزاج کو کام میں لا کر اس میں رزمیے کی سی شان پیدا کر دی۔

ایبوسے کا مزاج شروع ہی سے عجلت میں لکھی ہوئی کچی پکی تحریروں کے ذریعے کوئی فوری پیغام یا سبق فراہم کرنے کے بجائے متواتر مشق سے اپنے اسلوب کو سنوارنے اور زیادہ سے زیادہ اثر انگیز بنانے پر مائل تھا۔ ان کا یہ مخصوص مزاج اور اسلوب زیرِ نظر ناول لکھتے ہوئے ان کے بہت کام آیا۔ ایک عظیم اور المناک سانحے کو اپنے ناول کی بنیادی تھیم بنا کر انہوں نے پڑھنے والے کو کوئی پیش پا افتادہ پیغام دینے کی کوشش نہیں کی۔ یوں بھی اس سادہ پیغام تک پہنچنے کے لیے کہ ایٹمی اسلحہ ہلاکت خیز ہوتا ہے اور اس کی تیاری اور استعمال کی ہر حالت میں مزاحمت کی جانی چاہیے، کسی کتاب کے پڑھنے کی حاجت نہیں۔

اس المیے کا سامنا کر کے زندہ رہ جانے والے چند انسانوں کی کہانی بیان کرنے کے لیے ایبوسے نے ایک نہایت موثر تخلیقی ہیئت وضع کی ہے۔ اس کہانی کا تانا بانا بے شمار دوسرے انسانوں کی انہیں جیسی کہانیوں کے ساتھ ملا کر بنایا گیا ہے۔ ناول کا بیانیہ زمانی اعتبار سے چار مختلف سطحوں پر متواتر حرکت کرتا ہے: جنگ سے پہلے کا پرسکون اور ہموار وقت: جنگ کے دوران کا، فوجی فسطائیت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دشواریوں پر زمانہ، جنگ کے نقطہ عروج پر بم کی ہلاکت خیزیوں کے دن اور جنگ کے خاتمے کے بعد کی زندگی لیکن ناول کی تہہ داری صرف یہیں تک محدود نہیں۔ وقت کی یہ چار سطحیں انسانی احساس، مزاج اور رویے کی جس رنگا رنگی سے مل کر ترتیب پاتی ہیں، اس کو نہایت حساس اور لطیف بیان کی گرفت میں لے آنا دراصل اس ناول کی کامیابی ہے۔

یہ ناول کوئی پیچیدہ پلاٹ نہیں رکھتا۔ اس کی تمام تر کہانی درحقیقت معمر شیگے ماتسو کی ان کوششوں پر مبنی ہے جو وہ اپنی بھتیجی یاسُو کو کو اس سماجی بدنامی سے بچانے کے لیے کر رہا ہے کہ وہ ایٹم بم کی تابکاری کی زد میں آنے کے بعد شادی کے قابل نہیں رہی۔ اگرچہ اسے اپنی ان کوششوں میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی، مگر ان مرحلوں سے گزرتے ہوئے وہ اپنی اور اس قیامت سے زندہ بچ نکلنے والے دوسرے لوگوں کی، سانس لیتی ہوئی یادوں کو محفوظ کر کے زندگی کے اثبات کا اظہار کرنے میں کامیاب رہتا ہے۔ ناول کے مختلف عناصر کو بڑی بلاغت کے ساتھ ایک مکمل ہیئت میں سمویا گیا ہے۔ پہلے باب میں ۱۵ اگست ۱۹۴۵ کو بانس

کے نیزوں سے مسلح ہو کر دیہات سے ہیروشیما کے زخمیوں کی امداد کو جانے والے رضا کاروں کے راستے میں شہنشاہ کا خطاب سننے کا ذکر آتا ہے، جس کی رو سے جاپانی فوجوں نے ہتھیار ڈال کر جنگ کا خاتمہ کر دیا تھا۔ آخری باب میں شہنشاہ کی یہی تقریر دوبارہ سنائی دے کر المناک واقعات کے اس دائرے کو مکمل کر دیتی ہے جس نے لوگوں کی زندگیوں کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ان دونوں نقطوں کے درمیان مصنف، واحد متکلم کے ناول کی خصوصیت کو برقرار رکھتے ہوئے، مختلف زاویوں کے بیانات میں دخل اندازی کرنے یا خود کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے احتراز کرتا ہے۔ ناول کے بعض حصے، مثلاً بم کا شکار ہو کر زندہ رہ جانے والے چند افراد کا تالاب میں مچھلی کے بچوں کی پرورش کرنا، شاید پہلی نگاہ میں غیر متعلق معلوم ہوں لیکن ناول کے پورا ہوتے ہوئے بڑی احتیاط سے تعمیر کی ہوئی ساخت کے ناگزیر اجزا محسوس ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح، ایک فسطائی فوج کا شہریوں سے معاندانہ رشتہ، حالتِ جنگ کا اخلاقی انتشار اور زندگی کے بدلتے ہوئے رنگ روپ، نہایت اختصار اور ہنرمندی سے ناول کی ساخت میں اپنی جگہ کرتے چلے جاتے ہیں۔

اس طرح یاسیت اور امید پرستی کی رسمی حد بندیوں سے بلند ہو کر ماسوجی ایبوسے کا ناول ''کالی بارش''، دریاؤں اور پلوں سے آراستہ ایک حسین شہر کی ہولناک تباہی، ایک غیر معمولی صورتِ حال کا سامنا کرتے ہوئے معمولی انسانوں کے شب و روز اور لمحہ بہ لمحہ شکست کی جانب بڑھتی ہوئی ایک قوم کی نفسیاتی کیفیت کی تصویر کشی کرتا ہے اور جنگ اور ایٹم بم سے نفرت کا محدود پیغام دینے سے بڑھ کر زندگی کی رنگا رنگی اور ہمہ گیری کا اثبات کرتا ہے۔

اجمل کمال

کراچی

۱۶ جولائی ۱۹۹۳ء

MashalBooks.org

پچھلے کئی برسوں کو باتا کے گاؤں کے رہنے والے شگیے ماتسو شیزوما کو اپنی بھتیجی یاسو کو کے وجود کا احساس یوں تھا جیسے اس کے ذہن پر کوئی بوجھ رکھا ہو۔ اس سے بھی بدتر بات یہ تھی کہ اسے خیال تھا کہ یہ دم گھونٹ دینے والا بوجھ آنے والے کئی برسوں میں بھی اس کا ساتھ چھوڑنے والا نہیں۔ اسے لگتا تھا کہ یاسوکو کی صورت میں اس پر دوہری، بلکہ تہری، ذمے داری عائد ہے۔ اصل پیچیدہ بات یہ نہیں تھی کہ اس کے لیے کسی موزوں رشتے کا دور دور پتا نہ تھا۔ اصل مصیبت تو افواہ کی تھی۔ افواہ یہ تھی کہ جنگ کے آخری دنوں میں یاسوکو ہیروشیما شہر میں سیکنڈ مڈل سکول سروس کور کے کچن میں کام کرتی تھی۔ اس افواہ کی وجہ سے ہیروشیما سے سو میل مشرق میں واقع کوباتا کے گاؤں کے لوگ کہتے تھے کہ وہ شعاعوں کی بیماری میں مبتلا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ شگیے ماتسو اور اس کی بیوی جان بوجھ کر اس بات کو چھپا رہے ہیں۔ اس وجہ سے اس کی شادی بہت دور کی بات معلوم ہوتی تھی۔ وہ لوگ جن کے رشتہ دینے کا امکان ہوسکتا تھا، جب آ کر پڑوسیوں سے پوچھ تاچھ کرتے تو یہ افواہ ان کے کانوں میں پڑ جاتی، وہ فوراً محتاط ہو جاتے اور جلد ہی بات چیت ختم ہو جاتی۔

اس صبح -- چھ اگست کی صبح -- ہیروشیما میں سیکنڈ مڈل سکول کی سروس کور کے لوگ حوصلہ بڑھانے والی اس تقریر پر کان لگائے ہوئے تھے جو تیماپل یا شہر کے مغربی حصے میں واقع کسی اور پل پر کی جا رہی تھی، کہ ایٹم بم گرا۔ اس ایک لمحے میں لڑکے سر سے پیر تک شعلوں میں گھر گئے لیکن نگراں استاد سب کو پیانو کی دھن پر وطن کا ایک گیت گوانے لگا: ''مجھے لہروں کی تہہ میں لٹا دو!'' جب گانا ختم ہوا تو اس نے سب کو منتشر ہونے کا حکم دیا اور خود ان کی رہنمائی کرتا ہوا دریا میں کود پڑا جس کا بہاؤ اس وقت بہت تیز تھا۔ سب لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ صرف ایک شاگرد یہ قصہ سنانے کو گھر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور کہتے ہیں کہ کچھ ہی دیر میں مر گیا۔

عین ممکن ہے کہ یہ کہانی کوباتا کے گاؤں کی پیٹریاٹک سروس کور کے ایک رکن کی

MashalBooks.org

زبانی یہاں پہنچی ہو جو ہیروشیما سے زندہ لوٹا تھا۔ اگر یہ سچ بھی ہو تو یہ بات کہ یاسوکو اس وقت سیکنڈ مڈل سکول کور کے کچن میں کام کرتی تھی، محض افواہ طرازی ہے۔ اور اگر بالفرض وہ کچن میں کام کرتی بھی ہوتی تو اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ جس وقت ''مجھے لہروں کی تہہ میں لٹا دو!'' والا گانا ہو رہا تھا اس وقت کوئی لڑکی وہاں موجود ہو۔ سچ بات یہ تھی کہ یاسوکو ہیروشیما سے باہر فوروابچی کے قصبے میں جاپان ٹیکسٹائل کمپنی کے کارخانے میں ملازم تھی اور وہاں اس کا کام دفتر کی دیکھ بھال کرنا اور منیجر فوجیتا ساں کی سیکرٹری کے فرائض انجام دینا تھا اور جاپان ٹیکسٹائل کمپنی اور سیکنڈ مڈل سکول کے درمیان دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔

فوروابچی میں ملازمت شروع کرنے کے بعد سے یاسوکو شیروما خاندان کے ساتھ ان کی عارضی قیام گاہ، یعنی ہیروشیما کے سینداماچی محلے میں ۸۶۲ نمبر کے مکان میں رہ رہی تھی اور کابے جانے والی اسی ٹرین پر فیکٹری آتی جاتی تھی جس پر شیگیے ماتسو سفر کیا کرتا تھا۔ اس کا سیکنڈ مڈل سکول سے یا سروس کور سے کچھ لینا دینا نہ تھا اگر کوئی تعلق تھا تو بس اتنا کہ سکول کے ایک سابقہ شاگرد نے یعنی ایک سپاہی نے جو جاپانی فوجوں کے ساتھ شمالی چین میں تعینات تھا۔ یاسوکو کی طرف سے ایک تحفے کا پیکٹ وصول ہونے پر اسکے نام چاپلوسی بھرا ایک خط لکھا تھا اور اس کے آخر میں اپنی لکھی ہوئی پانچ چھ نظمیں درج کی تھیں۔ شیگیے ماتسو کو اب تک یاد تھا کہ جب یاسوکو نے یہ نظمیں اس کی بیوی کو دکھائی تھیں تو شیکیکو شرم سے یوں سرخ ہو اٹھی تھی جو اسکی پختہ عمر کو دیکھتے ہوئے عجیب سی بات لگتی تھی، اور پھر بولی تھی:
''یاسوکو، ایسی ہی نظموں کو شاید عشقیہ نظمیں کہا جاتا ہے۔''

بلاشبہ جنگ کے دنوں میں ایک فوجی حکم کے ذریعے ''غیر ذمے دارانہ افواہیں پھیلانا'' ممنوع قرار دیدیا گیا تھا۔ آزادیِ اظہار کو محدود کر دیا گیا تھا، اور بات چیت کے موضوعات کو بلیٹن جیسی ترکیبوں سے قابو میں کر لیا گیا تھا جنہیں ہر ضلعے کے لوگوں میں تقسیم کیا جاتا تھا لیکن جب جنگ ختم ہوئی تو طرح طرح کی افواہیں اور کہانیاں ہر طرف پھیل گئیں: ڈکیتی، چوری اور قمار بازی کے قصے، فوجی ذخیروں اور راتوں رات مالدار ہو جانے والوں کی داستانیں، قابض فوجوں کی باتیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان سب پر، افواہوں پر بھی اور کہانیوں پر بھی، دھول بیٹھنے لگی اور یہ لوگوں کے ذہنوں سے فراموش ہونے

MashalBooks.org

لگیں۔ اگر یاسوکو والی افواہ بھی اپنا وقت پورا کر کے اسی طرح ختم ہو جاتی تو کتنا اچھا ہوتا لیکن ایسانہیں ہوا اور جب بھی کوئی رشتے کی تجویز لے کر معلومات کرنے آیا تو وہی پرانی کہانی اسے سنا دی گئی کہ یاسوکو ہیروشیما کے سیکنڈ مڈل سکول کی سروس کو کے کچن میں کام کرتی تھی۔

کچھ عرصے تک شیگیے ماتسو کے دل میں یہ بات رہی کہ اس بدمعاش کو ڈھونڈ نکالے جس نے یہ بے پر کی سب سے پہلے اڑائی تھی۔ لیکن شیگیے ماتسو، اس کی بیوی اور یاسوکو کو چھوڑ کر، کوباتا کے کے جو لوگ بم گرنے کے وقت ہیروشیما میں تھے وہ سب کے سب پیٹریاٹک والنٹیئر کور اور سروس کور کے رکن تھے۔ پیٹریاٹک والنٹیئر کور اس صوبے کے مختلف ضلعوں سے بھرتی کیے ہوئے جوانوں پر مشتمل تھی اور اسے ہیروشیما کے گھنی تعمیر والے علاقوں میں مکانوں کو جبراً توڑ کر آگ کا راستہ روکنے والی رکاوٹیں بنانے کا کام سونپا گیا تھا۔ کوباتا کے گاؤں کے جوانوں کو اس یونٹ میں رکھا گیا جسے کوجن یونٹ کا طمطراق والا نام دیا گیا تھا کیونکہ اس میں دو ضلعوں، کونو اور جن سیکی، سے بھرتی کیے ہوئے افراد شامل تھے۔ ان کا کام لوگوں کے مکان مسمار کرنا تھا۔ وہ مکان کے چھوٹے بڑے ہر ستون کے چار بٹا پانچ حصے کو آرے سے لمبا لمبا کاٹ دیتے اور پھر کھمبے سے مضبوط رسا باندھ کر بیس تیس آدمی زور لگاتے، یہاں تک کہ مکان گر کر زمین پر آ رہتا۔ ایک منزلہ مکان بڑی مصیبت سے، تھوڑا تھوڑا کر کے گرتے تھے۔ دو منزلہ مکان زیادہ سعادت مندی دکھاتے اور ایک ہی ہلے میں دھڑام سے گر پڑتے، مگر ان سے اٹھنے والے گرد کے بادل کی وجہ سے آگے بڑھنا کم سے کم پانچ چھ منٹ تک کے لیے ناممکن ہو جاتا۔

بدقسمتی سے کوجن یونٹ اور سروس کور کے لوگ ایک ہی دن پہلے وہاں پہنچے تھے اور ابھی انہوں نے اپنا کام ڈھنگ سے شروع بھی نہیں کیا تھا کہ بم گرا۔ جو لوگ فوری طور پر ہلاک نہیں ہوئے انہیں، ان کے کھال اترے اور جلتے ہوئے جسموں کو، مویشی، شوبارا، توجو اور ہیروشیما کے گردونواح کے دوسرے قصبوں میں واقع امدادی مرکزوں میں لے جایا گیا۔ تباہ شدہ ہیروشیما میں کوباتا کے سے جو پہلی پارٹی بھیجی گئی وہ گاؤں کے آگ بجھانے والوں پر مشتمل تھی جو کوئلے سے چلنے والی بس میں وہاں پہنچے۔ ان کے بعد، جس روز جنگ ختم ہوئی ہے اس روز صبح سویرے ینگ مینز ایسوسی ایشن کے رضا کاروں کی پارٹی میوشی،

توجو اور دوسری جگہوں کے عارضی امدادی مرکزوں کو روانہ ہوئی تا کہ زخمیوں میں گاؤں والوں کو تلاش کرے۔

ایسوسی ایشن کے ارکان کو، جنہوں نے اپنی خدمات خود پیش کی تھیں، سرکاری طور پر الوداع کہنے کے لیے گاؤں کا کھیا خود ایسوسی ایشن کے قائم مقام صدر کے ساتھ موجود تھا۔

''جوانو،'' اس نے کہا، ''جنگ کے ان مصروف دنوں میں یوں اپنی خدمات پیش کرنے پر ہم سب دل سے تمہارے شکر گزار ہیں۔ میں تمہیں یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ جن زخمیوں کو تم اپنے ساتھ واپس لانے والے ہو، ان کے تمام بدن جلنے کے زخم پڑے ہوئے ہیں اور نہ تم سے یہ درخواست کرنے کی ضرورت ہے کہ اس بات کی پوری احتیاط کرنا انہیں اور تکلیف نہ پہنچے۔ کہا جا رہا ہے کہ ہیروشیما پر حملے میں دشمن نے ایک نیا ہتھیار استعمال کیا ہے جس سے شہر کے لاکھوں بےقصور لوگوں پر ایک لمحے میں قیامت ٹوٹ پڑی۔ پیٹریاٹک سروس کور کے رکن نے جو ہیروشیما سے جان بچا کر نکل آیا، مجھے خود بتایا ہے کہ جس وقت نئے ہتھیار نے شہر کو نیست و نابود کیا اس وقت اس نے مدد کے لیے پکارتی ہوئی بے شمار چیخیں سنیں: یہ ان لاکھوں جانوں کی آوازیں تھیں جو پاتال سے آ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ فوکویاما ضلع بھی، جہاں سے وہ واپس آتے ہوئے گزرا، جلے ہوئے ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ فوکویاما قلعے کا بڑا مینار اور گرمائی جھرو کا سب شعلوں کی نذر ہو گئے تھے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ جنگ کی ہولناکی کا احساس کر کے اس کا دل تڑپ اٹھا--- بہرحال، جو بھی ہو، حقیقت یہ ہے کہ جنگ ہو رہی ہے اور رضا کار مزدور یونٹ کے طور پر تم لوگ اپنے سپاہی ساتھیوں کو واپس لانے جا رہے ہو۔ اس لیے تم سے میری سب سے بڑی درخواست یہ ہے کہ آخری دم تک ڈٹے رہنے کے عزم کے ان نشانوں کو، اپنے ان بانس کے نیزوں کو، ہرگز مت گرنے دینا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ مجھے یوں چوری چھپے تمہیں الوداع کہنا پڑ رہا ہے، اور پچھلے پہر کے اندھیرے میں ذرا سی روشنی کے بغیر تم سے یہ خطاب کرنا پڑ رہا ہے، لیکن موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ تم اس مجبوری کو سمجھ جاؤ گے۔''

تقریر ختم کر کے وہ اناسی کے قریب لوگوں کی طرف مڑا جو جانے والوں کو الوداع کہنے کے لیے جمع ہوئے تھے اور اپنے بازو اٹھا کر بولا: ''میرے ساتھ مل کر رضا کار مزدور یونٹ کے ان جوانوں کے لیے تین بار نعرہ لگاؤ!''

MashalBooks.org

پارٹی کے جوان تین ٹولیوں میں بٹ گئے اور ایک ٹولی میوشی کو، دوسری شوبارا کو اور تیسری توجو کو روانہ ہوگئی۔ وہ اپنا سامان لے جانے والی گھوڑا گاڑیوں کے پیچھے پیچھے خاموشی سے چلنے لگے۔ توجو والی ٹولی کے لوگ کوباتا کے اور توجو کی راہ کے آدھ بیچ میں کھانا کھانے کو رکے اور اس کے لیے انہوں نے سڑک کے کنارے بنے ہوئے ایک فارم ہاؤس کے برآمدے میں ڈیرا ڈالا۔ ابھی وہ کھانا کھا ہی رہے تھے کہ اندر مکان میں سے ریڈیو پر شہنشاہ کی خصوصی تقریر کی آواز سنائی دی۔ جب خطاب ختم ہوا تو وہ سب کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر وہ شخص جو گھوڑوں کی لگام کھینچتا آیا تھا بولا:

''مکھیا کی تقریر کچھ زیادہ ہی لمبی تھی۔ کیا خیال ہے؟''

یوں بات شروع ہوگئی اور ہوتے ہوتے اس پر پہنچی کہ اب ان بانس کے نیزوں کا کیا کیا جائے۔ آخر سب کی رائے سے یہ طے پایا کہ انہیں اس کسان کے لیے تحفے کے طور پر یہیں چھوڑ دیا جائے جس کا برآمدہ انہوں نے بلاتکلف استعمال کیا تھا۔

توجو کا امدادی مرکز ایک پرانی سی عمارت میں تھا جو اتفاق سے دستیاب ہوگئی تھی۔ اس مرکز کے دو سپرنٹنڈنٹ تھے لیکن دونوں میں سے کسی کو ذرا بھی اندازہ نہ تھا کہ کیا کیا جائے۔ زخمی تاتامی چٹائیوں پر ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر شناخت کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کیوں کہ جل کر ان میں سے ہر ایک کے چہرے کی کھال اتر چکی تھی۔ ان میں سے ایک کے سر پر جہاں بال ہونے چاہئیں تھے وہاں وہ کھال اترنے سے انڈے کی طرح گنجا ہو گیا تھا: کھال کا بس ایک چھوٹا سا ٹکڑا لٹکا رہ گیا تھا جو یوں لگتا تھا جیسے اس کے ماتھے پر کوئی سوتی تولیا لپٹا ہوا ہے۔ اس کے گال کسی بوڑھی عورت کی چھاتیوں کی طرح لٹک کر جھول رہے تھے۔ خوش قسمتی سے زخمی سب کے سب سننے کے قابل تھے، لوگ ان میں سے ایک ایک کے پاس جا جا کر اس کا نام پوچھتے، جسے چینی روشنائی سے اس کی ننگی کھال پر، یا اگر اس کے بدن سے کپڑوں کے کچھ چیتھڑے لٹکے رہ گئے ہوں تو ان پر لکھ دیتے۔ یہ طریقہ اگرچہ بہت بھونڈا تھا لیکن شناخت کے واسطے ضروری تھا کیوں کہ زخمی تکلیف کے مارے مستقل کروٹیں بدل رہے تھے اور کراہ رہے تھے۔

''ڈاکٹر آخر کیا کر رہا ہے؟'' رضا کاروں میں سے ایک نے ایک سپرنٹنڈنٹ سے سوال کیا۔ ''وہ ان کے لیے کچھ کرتا کیوں نہیں؟''

لیکن ڈاکٹر بھی ان زخمیوں کو چھونے میں ہچکچا رہا تھا جن کی بیماری کا وہ خود نہ جانتا تھا کہ کیا علاج کرے۔ ان کی تکلیف کا اصل سبب نہ جانتے ہوئے اس نے آگ سے جلنے کے درد کو کم کرنے کے لیے ان میں سے چھ کو پینٹو پون نامی دوا کے ٹیکے لگا دیئے جس سے ان کی تکلیف عارضی طور پر کم ہوگئی۔ اس کے بعد اس کا کہنا تھا کہ دوا ختم ہوگئی۔

یہ سب باتیں شیگیے ماتسو کو بعد میں، جب وہ ہیروشیما سے لوٹا، رضا کار پارٹی کے ایک رکن کی زبانی معلوم ہوئیں۔ اس وقت تک شیگیے ماتسو پر بھی شعاعوں کی بیماری کے اثرات ظاہر ہونے لگے تھے۔ جب وہ کھیتوں میں کام کرنے میں زیادہ جوش وخروش دکھاتا تو اچانک اس پر سستی کا غلبہ ہو جاتا اور کھوپڑی پر باریک باریک دانے نکل آتے۔ اگر وہ اپنے بال پکڑتا تو وہ کسی درد کے بغیر جڑ سے اکھڑ آتے۔ ایسے موقعوں پر وہ کچھ دیر کے لیے اپنے بستر میں جا لیٹتا اور توانائی بخش غذائیں کھاتا۔

شعاعوں کی بیماری کی علامتیں عموماً اسی طرح سمجھ میں نہ آنے والی سستی اور اعضا کے بھاری پن سے شروع ہوئی تھیں۔ چند روز بعد بال کسی درد کے بغیر گرنے لگتے، دانت ہلنے لگتے اور ایک ایک کر کے گر جاتے۔ آخر مریض ڈھینے لگتا اور کچھ دنوں میں مر جاتا۔ اگر بیماری کے شروع میں سستی محسوس ہو جائے تو ضروری تھا کہ مریض آرام کرے اور اچھی غذا کھائے۔ جن لوگوں نے اس پر بھی خود کو کام میں لگائے رکھا وہ کسی نااہل باغبان کے لگائے ہوئے صنوبر کے پیڑ کی طرح رفتہ رفتہ گھلنے لگے اور آخر ختم ہو گئے۔ کوباتا کے ساتھ والے گاؤں میں، اور اس سے آگے والے ہیں، ایسے لوگ تھے جو ہیروشیما سے ہٹے کٹے اور اپنے بچ نکلنے پر خوش خوش لوٹے، اور ایک دو مہینے جان توڑ کر کام کرنے کے بعد بستر سے لگ گئے اور ہفتے دس دن میں چل بسے۔ بیماری بدن کے کسی ایک حصے میں جڑ پکڑ لیتی اور اس میں مخصوص قسم کی نہایت شدید درد پیدا کرتی۔ کندھوں اور پیٹھ میں بھی اس بیماری سے جو درد اٹھتا تھا وہ کسی اور وجہ سے ہونے والے درد سے کہیں زیادہ سخت تھا۔

دورے پر آنے والے ڈاکٹر نے شیگیے ماتسو کا معائنہ کر کے صاف صاف شعاعوں کی بیماری تشخیص کی۔ فوکویاما شہر کے ڈاکٹر فوجیتا کی تشخیص بھی یہی تھی لیکن یاسوکو کا معاملہ دوسرا تھا وہ کسی بھی اعتبار سے بیمار نہیں تھی۔ ایک معروف ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا تھا، اور پھر وہ بم سے بچ نکلنے والوں کے میعادی معائنوں سے بھی گزری جن کا انتظام مقامی ہسپتال

میں کیا گیا تھا۔ اس کی ہر چیز معمول کے مطابق تھی: خون میں سفید خلیوں کی تعداد، پیرا سائٹ، پیشاب، آنتوں کا مواد، نبض، سماعت وغیرہ۔ جنگ کو ختم ہوئے چار سال اور نو مہینے گزر چکے تھے جب یاسوکو کے لیے ایک ایسے رشتے کا امکان پیدا ہوا جو سچ پوچھو تو اس کی حیثیت سے بہت اونچا معلوم ہوتا تھا۔ لڑکا یامانو گاؤں کے ایک قدیم خاندان کا فرزند تھا۔ اس نے غالباً یاسوکو کو کہیں دیکھ لیا ہوگا، جبھی رشتہ کرانے والوں کے توسط سے باقاعدہ بات چیت شروع کر دی گئی۔ یاسوکو کو خود بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اس اندیشے کا توڑ کرنے کے لیے اس بار رشتے کی بات چیت شعاعوں کی بیماری کی افواہ کے ہاتھوں خاک میں نہ مل جائے، شِگیے ماتسو نے ایک مشہور ڈاکٹر سے یاسوکو کی صحت کا سٹیفکیٹ حاصل کیا اور رشتہ کرانے والوں کو بھجوا دیا۔

''اس بار سب کچھ ٹھیک رہے گا!'' اس نے کچھ کچھ خود اہمیتی کے سے انداز میں کہا۔ ''دوہری احتیاط کرنا سب سے اچھا ہوتا ہے! آج کل یوں بھی شادی کے فیصلے سے پہلے لوگوں کا آپس میں صحت کے سرٹیفکیٹوں کا تبادلہ کرنے کا رواج ہو رہا ہے۔ وہ یقیناً اس بات کو عجیب نہیں سمجھیں گے۔ رشتہ کرانے والی غالباً ایک سابق فوجی افسر کی بیوی ہے، اس لیے وہ جدید طور طریقوں سے واقف ہوگی۔ اس بار سب ٹھیک رہے گا، تم دیکھ لینا۔''

لیکن واقعات سے ثابت ہوا کہ اس نے دانائی کے مقابلے میں احتیاط سے زیادہ کام لیا تھا۔ رشتہ کرانے والوں نے یقیناً گاؤں میں کسی سے یاسوکو کی صحت کے بارے میں بات چیت کی ہوگی، کیونکہ ان کی طرف سے ایک خط آیا جس میں ہیروشیما میں بم گرنے کے دن سے لے کر یاسوکو کے گاؤں واپس پہنچنے تک اس کی مصروفیتوں کے بارے میں سوال کیے گئے تھے۔ خط کے آخر میں یقین دلایا گیا تھا کہ یہ سوال صرف رشتہ کرانے والوں کے اطمینان کے لیے کیے جا رہے ہیں اور ان کا ہونے والے شوہر سے کسی بات چیت سے کوئی تعلق نہیں۔

شِگیے ماتسو پر انکشاف ہوا کہ اس پر ذمے داری کا بوجھ اور بڑھ گیا ہے۔ اس کی بیوی نے خط پڑھ کر بغیر کچھ کہے یاسوکو کو تھما دیا اور خود کچھ دیر تک خاموش بیٹھی تاتامی کے فرش کو تکتی رہی، پھر اٹھ کر سامان کی کوٹھری کی طرف چل دی۔ یاسوکو بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد شِگیے ماتسو نے جا کر جھانکا۔ اس کی بیوی نے اپنا منہ یاسوکو کے کندھے

میں چھپا رکھا تھا اور دونوں ہولے ہولے سسکیاں بھر رہی تھیں۔

''اچھا، ٹھیک ہے۔ اس بار مجھ سے غلطی ہوئی،'' وہ بولا۔ ''لیکن لوگوں کی باتوں میں آ کر کسی سے اس طرح کا سلوک کرنا بڑی نیچ حرکت ہے۔ لوگ باتیں بناتے ہیں تو بناتے رہیں! ہم ان کی پرواہ نہیں کرنے والے۔ کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیں گے، تم میری بات یاد رکھو!''

لیکن وہ خود جانتا تھا کہ یہ بات اس نے خود اپنے کو تسلی دینے کے لیے کہی تھی۔

آخر یاسوکو تھکے تھکے اور سست قدموں سے اٹھی اور اس نے درازوں کی الماری میں سے ایک بڑی سی ڈائری نکال کر خاموشی سے شیگیے ماتسو کو دے دی۔ یہ اس کی ۱۹۴۵ کی نجی یادداشتیں تھیں اور ڈائری کی جلد پر ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے دو جھنڈے بنے ہوئے تھے۔ ایک تو قومی پرچم اور دوسرا ابھرتے ہوئے سورج والا جسے بحریہ والے استعمال کرتے تھے۔ جن دنوں وہ ہیروشیما کے سینداماچی محلے میں رہا کرتے تھے، یاسوکو ہر رات کھانے کے بعد کھانے کی گول میز کو لکھنے کی میز بنا کر دن بھر کے واقعات ڈائری میں لکھ لیا کرتی تھی۔ چاہے وہ کتنی ہی تھکی ہوئی کیوں نہ ہو، اس معمول میں کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا۔

اس کا ڈائری لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ چار پانچ دن تک ہر دن کے واقعات کو مختصراً پانچ چھ سطروں میں لکھ لیتی، پھر پانچویں یا چھٹے دن پورے صفحے پر پچھلے چند دنوں میں گزرے ہوئے واقعات کو زیادہ تفصیل سے لکھتی۔ اس کا یہ طریقہ شیگیے ماتسو کی تقلید میں تھا۔ وہ خود بھی برسوں سے اس پر عمل کر رہا تھا اور اسی نے یہ اپنی بھتیجی کو سکھایا تھا۔ اس طریقے کو جسے وہ ''چھوٹے بڑے دنوں کا طریقہ'' کہتا تھا، وضع کرنے کی منطق یہ تھی کہ جب وہ کام سے دیر میں گھر لوٹے اور تھکن اور نیند سے بے حال ہو تب بھی چند سطروں میں دن بھر کی باتوں کا خلاصہ لکھ لے۔

شیگیے ماتسو کو خیال آیا کہ یاسوکو کی ڈائری کے خاص حصے نقل کر کے رشتہ کرانے والوں کو بھجوا دیے جائیں۔ وہ اس کام میں لگ گیا اور ۵ اگست کی تاریخ سے شروع کر کے اس نے کئی دنوں کی ڈائری کو جوں کا توں نقل کر لیا۔

o o o

۵ اگست

فیکٹری مینیجر فوجیتا ساں کو اطلاع دی کہ کل غیر حاضر رہوں گی۔ پھر گھر آ کر گاؤں بھجوانے کے لیے سامان تیار کیا۔ فہرست چچی شیکیکو کے جاڑوں اور گرمیوں کے تقریبی کیمونو (ان میں سے ایک، بہت قیمتی والا، جس پر زرد پٹیاں ہیں، کہا جاتا ہے بڑی دادی اماں نے دلہن بن کر گھر میں آتے وقت پہن رکھا تھا) اور چار عدد گرمیوں میں عام استعمال کے کیمونو: چچا شیگیے ماتسو کا جاڑوں میں دن کے وقت پہننے والا کوٹ، جاڑوں اور گرمیوں کے تقریبی کیمونو اور ایک عدد ہاوری، دو جاڑوں کے سوٹ، ایک قمیص، ایک ٹائی اور ان کی گریجویشن کی سند: میرے اپنے گرمیوں اور جاڑوں کے تقریبی کیمونو، دو عدد کمر بند، میری گریجویشن کی سند۔ ان سب کو تنکوں والی ٹوکری میں رکھا۔ کندھے پر لٹکانے والے بیگ میں تین ڈونگے چاول، ڈائری، قلم، اپنی مہر، مرکیورو کروم دوا کا پوڈر اور ہر موقعے پر کام آنے والی تکونی پٹی رکھی۔ (شیگیے ماتسو کی طرف سے اضافہ: یہ سب سامان جنگ ختم ہونے کے سال بھر بعد ہمیں جوں کا توں بندھا ہوا واپس ملا۔)

آدھی رات کو ہوائی حملے کا سائرن سنائی دیا اور بی ۲۹ جہازوں کا ایک دستہ شہر پر سے کچھ کیے بغیر گزر گیا۔ تین بجے کے قریب خطرہ ٹلنے کا سگنل ہوا۔ رات کے پہرے سے واپس آ کر چچا شیگیے ماتسو نے بتایا کہ کل بی ۲۹ جہازوں نے شہر پر پراپیگنڈا پمفلٹ گرائے ہیں کہ ''یہ مت سمجھو کہ ہم نے فوچو ماچی پر حملہ کرنے کا خیال فراموش کر دیا۔ ہم بہت جلد آنے والے ہیں۔'' پمفلٹ کی زبان بے تکلفانہ ہونے کے باوجود دھمکانے والی ہے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ کیا وہ لوگ واقعی فوچو ماچی محلے پر بم گرا دیں گے۔ ایک دو روز ہوئے یاماناشی صوبے سے آنے والے ایک شخص نے بتایا تھا کوفو پر حملہ ہونے سے پہلے وہاں بھی چکنے سفید آرٹ پیپر پر چھپے ہوئے ایسے پمفلٹ گرائے گئے تھے۔ ان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ سائی پان یا اور کسی جزیرے میں، جو امریکیوں کے قبضے میں ہے، جاپانی بڑے سکون سے رہ رہے ہیں اور وہاں کھانے پینے کی چیزوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہیروشیما میں تو آج کل آرٹ پیپر دیکھنے کو بھی نہیں ملتا۔ ساڑھے تین بجے سونے کے لیے گئی۔

۶ اگست

ساڑھے چار بجے نوجیما ساں اپنے ٹرک میں ہمارا سامان لینے آئے۔ فوروئے